بے ایمان

کس قدر خوبصورت مورتیاں ہیں۔ جاوید اُن مورتیاں کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا جس کو ایک بچہ فٹ پاتھ کے کنارے کھڑے ہو کر بیچ رہا تھا۔ وہ مورتیاں سب ایک ہی طرح کی تھیں۔ انسان کا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے چمٹا ہوا۔ یہ مورتیاں لکڑی تراش تراش کر بنائی گئی تھیں اور جتنی خوبصورت نظر آ رہی تھیں ان کو بیچنے والا وہ بچہ اتنا ہی پھٹے حال نظر آ رہا تھا۔ میلی سی بنیائن پہنے اور نیکر جو انگنت پیوند کے باوجود کئی جگہ سے پھٹی بھی ہوئی تھی۔ کوئی مصور اگر اس بچے کو بٹھا کر اپنے کینوس پر اتارتا تو یقیناً وہ ایک بہترین شاہ کار ہوتا۔ وہ پینٹنگ افلاس اور آس کا ایک بہترین نمونہ ہوتی۔ حالانکہ جاوید اُن مورتیوں کو دیکھ کر ٹھٹکا لیکن اب اس کی توجہ کا مرکز وہ لڑکا ہو گیا تھا۔ وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اُس کو دیکھنے لگا۔ جب کوئی گاہک اُن مورتیوں کی طرف متوجہ ہوتا تو اُس بچے کی آنکھوں میں ایک عجیب چمک نظر آنے لگتی چہرہ پر اُمید کی ہلکی سی جھلک کہ یہ گاہک مورتی خریدے گا اور اس کے بعد جب وہ گاہک مورتی الٹ پلٹ کر واپس جانے لگتا تو اس کی آنکھوں کی ٹم ٹماہٹ ایک دم ختم ہو جاتی اور اُس کے چہرے پر تھوڑی دیر پہلے آئی ہوئی اُمید کی جھلک غائب ہو جاتی اور وہ اپنا مایوس اور اُداس چہرہ لیے ہوئے کسی دوسرے گاہک کا انتظار کرنے لگتا اور جب یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا تو جاوید نے سوچا اُسے ایک مورتی خرید لینی چاہیے اُس نے سوچا وہ مورتی خرید کر اُس بچے پر کوئی احسان نہیں کرے گا۔ مورتی واقعی بہت خوبصورت تھی۔

کتنے کی یہ مورتی ہے جاوید نے بچے سے پوچھا۔

چالیس روپیہ کی بچے کی آنکھوں میں اُمید کے چراغ پھر جل اُٹھے۔

ارے اتنی مہنگی۔ مورتی کو دیکھتے ہوئے چالیس روپیہ زیادہ نہیں تھے لیکن جاوید نے سوچا تب بھی مول بھاؤ کیا جائے۔ بچہ ۳۵ روپیہ میں مورتی دینے کو تیار ہو گیا۔ لیکن جاوید نے ۲۰ روپیہ میں کہا اور یہ کہہ کر وہ ایک دو قدم آگے بڑھ گیا اُس نے سوچا کہ اگر بچہ کچھ اور پیسے کم نہیں کرے گا تو وہ مورتی ۳۵ روپیہ میں ہی خرید لے گا لیکن اُس کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ وہ بچہ اُس سے کہہ رہا تھا لائیے بابو جی ۲۰ روپیہ ہی دے دیجیے۔

جاوید نے ۲۰ روپیہ دے کر مورتی خرید لی۔ ۲۰ روپیہ کی تو صرف لکڑی ہی ہو گی اور پھر اس پر کتنی صفائی سے تراشا ہوا کام۔ کتنی محنت سے ہاتھ سے تراش تراش کر یہ بنائی گئی ہو گی۔ کس قدر خوبصورت مورتی اور کتنی سستی بک گئی۔ اُس نے مورتی کے کافی کم پیسے دیئے۔ وہ یہی سوچتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ یکا یک ایک آدمی کی آواز سے چونکا۔ یہ آپ نے کتنے کی مورتی خریدی ہے۔ وہ آدمی اُس سے پوچھ رہا تھا۔ شاید وہ بھی ایسی مورتی خریدنا چاہ رہا تھا۔ اور اُس کی قیمت کا پہلے سے اندازہ کرنا چاہ رہا تھا۔

جاوید کچھ دیر سوچتا رہا پھر بجائے ۲۰ روپئے کے بولا ۳۵ روپئے کی خریدی ہے۔

کافی اچھی مورتی ہے اُس آدمی نے مورتی کے لیے کچھ تعریفی کلمات کہے پھر اُس لڑکے کی طرف چل دیا جو مورتی بیچ رہا تھا۔

جاوید نے سوچا اتنی اچھی مورتی ہرگز دوبارہ ۲۰ روپئے کی نہیں بکنی چاہیے۔ وہ گھر آ گیا۔ مورتی کو اپنے ڈرائنگ روم میں ایک مناسب جگہ پر رکھ دیا۔

آج جب وہ سونے لیٹا تو اُسے نیند بالکل نہیں آ رہی تھی رہ رہ کر اس کی نظروں کے سامنے میلی کچیلی بنیائن اور پھٹی نیکر پہنے لڑکے کی تصویر آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے ۲۰ روپئے میں مورتی خرید کر اچھا نہیں کیا صرف ۲۰ روپے کی ہو ہی نہیں سکتی۔

ہوسکتا ہے اُس لڑکے نے کسی مجبوری کے تحت اُسے ۲۰ روپے میں مورتی دے دی ہو۔ ہوسکتا ہے اُس کے گھر شام کو کھانے کے لئے کچھ نہ ہو اور اُسے اپنے اور اپنے گھر والوں کے پیٹ بھرنے کے لئے کچھ نہ کچھ پیسے ہرصورت میں گھر لے جانے ہوں اور اُس نے مجبور ہوکر نقصان ہی میں مورتی بیچ دی۔ جاوید سوچنے لگا کہ ۲۰ روپے کی مورتی خرید کر اُس نے ایک بچے کی بھوک اور مجبوری کا فائدہ اٹھایا اور اُسے رہ رہ کر اِس کا احساس ہوتا رہا اور پھر اُس نے طے کیا کہ صبح اٹھتے ہی وہ پہلی فرصت میں ۲۰ روپے اور اُس بچے کو دے آئے گا۔ اور پھر اِس خیال سے اطمینان ہوا اور پتہ نہیں کب اُسے نیند آ گئی۔

صبح ناشتے وغیرہ کرکے پھر وہ بازار کی طرف نکل گیا۔ حالانکہ وہ لڑکا فٹ پاتھ کے کنارے سڑک پر مورتیاں بیچ رہا تھا اور اُس کی کوئی باقاعدہ دکان نہیں تھی لیکن جاوید کو اُمید تھی کہ وہ لڑکا وہاں مل جائے گا کیونکہ سڑکوں کے کنارے اُن لوگوں کی بھی خاص خاص جگہ ہوتی ہے کھڑے رہنے کی۔ جاوید بازار میں اُس جگہ پہنچ گیا جہاں وہ لڑکا مورتیاں بیچ رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ جاوید نے گھڑی دیکھی ابھی تو بازار کھلنے میں ایک گھنٹہ ہے ساری دکانیں لائن سے بند تھیں اور وہاں بالکل سناٹا تھا۔ جاوید نے سوچا کہ وہ بہت جلدی آ گیا ہے ظاہر ہے ابھی دکانیں نہیں کھلیں تو گاہک کہاں سے آئیں گے اور وہ بچہ اتنی جلدی آ کر کیا کرے گا۔ وہ قریب کے چائے اسٹال میں چلا گیا جہاں اردو اور ہندی دونوں ہی زبان کے اخبار لگے ہوئے تھے۔ دونوں اخبار پڑھنے کے بعد اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ کافی دیر ہوگئی اب تو بازار کھل گئے ہوں گے۔ اُس نے چائے کے پیسے دیے اور پھر وہیں پر آ گیا۔ آدھے سے زیادہ بازار کھل چکا تھا۔ کچھ شٹر اور تالے کھولے جا رہے تھے۔ اور کچھ اب بھی بند تھے اور بازارر جہاں ابھی کچھ دیر پہلے سناٹا تھا اُس وقت بھیڑ سے بھرنے لگا تھا۔ سب ہی جیبوں اور پرسوں میں سے روپے جلد سے جلد نکال باہر کرنا چاہتے تھے۔ وہ بچہ اب تک وہاں نہیں آیا تھا شاید آتا ہی ہو جاوید یہ سوچ کر وہیں کھڑا ہو گیا کیونکہ اب سڑک

پر کھڑے ہوکر سامان بیچنے والے دکان دار بھی آنے شروع ہو گئے تھے۔ کوئی شولا پوری چادریں بیچ رہا تھا تو کوئی کولہا پوری چپلیں کوئی بید کے مونڈھے تو کوئی بچوں کے ریڈی میڈ کپڑے۔ غرض اِس طرح کے سامان تھے۔ جاوید نے دیکھا جہاں وہ لڑکا مورتیاں بیچ رہا تھا۔ وہاں ایک آدمی بڑا سا تھیلا لٹکائے آ گیا تھا اور اب وہ اپنے تھیلے میں سے اُسی طرح کی مورتیاں نکال نکال کر فٹ پاتھ پر سجانے لگا۔ یہ تو کوئی اور ہے۔ وہ بچہ کہاں گیا۔ جاوید یہ سوچنے لگا شاید یہ آدمی اُس بچے کا باپ ہو لیکن یہ آدمی اتنا پھٹا حال نظر نہیں آ رہا تھا جتنا کہ وہ بچہ تھا۔ جاوید نے اُس آدمی سے اُس بچے کے بارے میں دریافت کیا۔ اُس آدمی کے چہرے پر ناگواری کے آثار کوند کر آ گئے ارے وہ پلّہ۔ بے ایمان۔ ترس کھا کر رکھ لیا تو ہم ہی کو لوٹنے لگا۔

سچ ہے ان سڑک چھاپ لڑکوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔

بات کیا ہوئی جاوید نے پوچھا ارے بابو جی کل اُس نے ۳۵ روپے میں ایک مورتی بیچی اور دیے صرف ۲۰۔ ایک دو نہیں پورے ۱۵ روپے مار گیا۔ دوکاندار نے اُس بچے کو دو چار مغلظات اور سنائیں۔

اب جاوید اُس آدمی کو پہچان گیا تھا یہ وہی آدمی تھا جس نے کل اُس سے دریافت کیا تھا کہ اُس نے یہ مورتی کتنے کی خریدی۔ اور جاوید نے اُسے بجائے ۲۰ روپے کے ۳۵ روپے بتائی تھی تاکہ بچے کو مورتی کے اچھے دام مل سکیں۔

وہ بچہ ہے کہاں جاوید نے اُس آدمی سے پوچھا ارے اُس کا کوئی ٹھکانا ہو تو بتائیں بھی۔

کیا مطلب تم اُس بچے کو نہیں جانتے ہو۔

نہیں ایک روز ایسے ہی سڑک کے کنارے مل گیا تھا۔ رو رو کر نوکری مانگنے لگا۔ کئی روز سے بھوکا تھا۔ کسی گاؤں سے آیا تھا۔ اُس کے ماں اور دوسرے بھائی بہن اکال میں بھوکے مر رہے تھے تو وہ شہر نوکری کرنے آ گیا تھا۔ ہم سے تو بابو جی اُس نے یہی کہانی گڑھی تھی ہم نے ترس کھا کر رکھ لیا۔ تین چار روز تک تو ایمانداری سے

کام کرتا رہا۔ جتنے کی مورتی بیچتا تھا ہم گاہک سے معلوم کر لیتے تھے کافی لگن سے کام کرتا تھا ہم سوچ رہے تھے ہمارا کوئی بچہ نہیں ہے اُس کو بھی کام سکھا دیں گے پھر دونوں مل کر اِس دھندے کو آگے بڑھائیں گے تو کل اس نے اپنی خصلت دکھا دی۔ لیکن ہم نے بھی اس کو اتنا مارا ہے کہ اب آئندہ کبھی بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ ہمارا تو کوئی نقصان نہیں ہوا اُسی کا گھاٹا ہوا تین روز کے اس کے ۱۵ روپے بنتے تھے وہ اُسے دیئے نہیں نوکری، اُس کی الگ گئی۔ وہ آدمی دوبارہ اپنی مورتیاں سجانے لگا۔ اور اب وہ زیادہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں نظر آ رہا تھا۔

جاوید کے دماغ میں جیسے آندھیاں چل رہیں تھی۔ کیا ہمدردی کی تھی اُس نے اُس بچے کے ساتھ۔ اُسے یقین تھا کہ یہ افسوس اُسے ساری زندگی رہے گا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ بچہ اُسے اس بھری دنیا میں دوبارہ نہیں مل سکتا۔

جاوید وہاں سے چل دیا تھا ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح۔